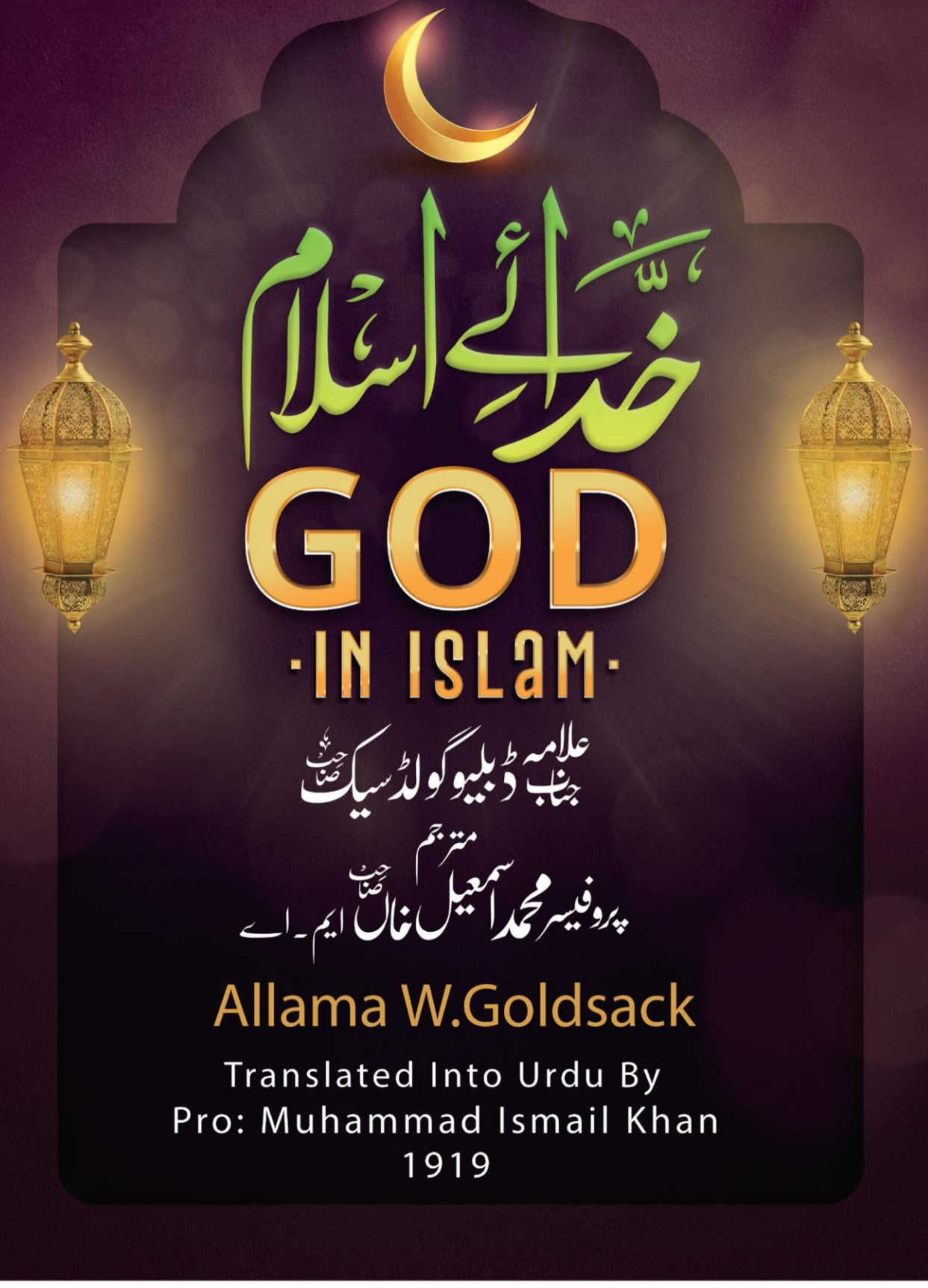
خدائے اسلام
GOD
IN ISLAM
علامہ جناب ڈبلیو گولڈسیک صاحب
مترجم
پروفیسر محمد اسمعیل خان صاحب ایم۔اے
Allama W.Goldsack
Translated Into Urdu By
Pro: Muhammad Ismail Khan
1919

AN ENQUIRY INTO THE MOSLEM CONCEPTION OF GOD

GOD IN ISLAM

BY THE

REV. WILLIAM GOLDSACK

Translated into Urdu By

Pro. Muhammad Ismail Khan

خدائے اسلام

یعنی

اہلِ اسلام کے الٰہی اعتقاد کی تحقیق

اللّٰهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ

اللہ حی القیوم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے

(سورہ آل عمران آیت ۲)

مصنف

علامہ ڈبلیو گولڈ سیک صاحب

مترجم

پروفیسر محمد اسماعیل خان

THE CHRISTIAN LITERATURE SOCIETY
LONDON, MADRAS AND COLOMBO
1919

REV. WILLIAM GOLDSACK
Australian Baptist Missionary and Apologist
1871–1957

فہرستِ مضامین

شمار	مضمون	صفحہ
۱۔	تمہید	۵
۲۔	وحدتِ خدا	۸
۳۔	صفاتِ خُدا	۱۲
۴۔	عقائدِ تجسم خُدا	۱۴
۵۔	خُدا اور انسان کا باہمی رشتہ	۱۸
۶۔	**خدا بلحاظِ گناہ و نجات**	۲۲

تمہید

کسی مذہب کی فضیلت اس بات میں نہیں ہوسکتی کہ وہ بہت سے ممالک کا مذہب ہے یا اُس کے ماننے والے زیادہ ہیں بلکہ صرف اسی ایک بات میں کہ خدا کی ذات اور اُس کے کیرکٹر کے بارے میں دیگر مذاہب کے مقابلے میں اعلیٰ اور افضل تعلیم دے کیونکہ تمام اخلاقی شریعت کا دارومدار اسی بات پر ہے۔ خواہ کوئی مذہب خدا کی توحید کی تعلیم دے خواہ اُس میں اللوں کی کثرت پائی جائے لیکن زیادہ تر قابلِ غور یہ بات ہے کہ خدا کے کیرکٹر اور خدا کی صفات کی تعریف اُس میں موجود ہے یا نہیں۔ کیونکہ کیرکٹر اور صفات کو چھوڑ کر خالص توحید کی تعلیم اُفتادہ انسان کو اٹھانے اور اُس کے دل میں عظمت ایزدی قائم کرنے کے لئے پاگل ناکافی ہے۔ خدا کے لئے کیرکٹر از بس بنیادی اور لابُدی اصول میں سے ہے۔

اگر کوئی محقق یہ دریافت کرنا چاہے کہ خدا کے حق میں اہل اسلام کا کیا اعتقاد ہے تو عام طور پر اُس کے لئے معلومات کے صرف چار وسیلے ہیں:

اول: قرآن جو مجمل و پُر معنی کلمہ لاالہ الااللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) سکھاتا ہے۔

دوم: احادیث جن میں حضرت محمد کی زبانی تعلیم کا ذخیرہ ملتا ہے اور بعد کے زمانے کے بعض خیالات بھی پائے جاتے ہیں۔

سوم: اجماع یعنی علمائے اسلام کی متفق علیہ رائے۔

چہارم: قیاس یعنی تعلیم اسلام کے متعلق علمائے اسلام کے اخذ کردہ نتائج۔ پس اب یہ بات صاف ظاہر ہے کہ خدا کے حق میں اہل اسلام کا اعتقاد معلوم کرنے کے لئے ہر چہار شواہد مذکورہ کی تحقیق و تدقیق نہایت ضروری ہے۔ لہذا ہم اس کتاب میں ان چار وسیلوں یعنی قرآن۔ احادیث۔ اجماع قیاس کو دکھلا دینگے تاکہ پڑھنے والا اُنہیں سے دریافت کر کے فیصلہ کر سکے کہ خدا کی نسبت اہل اسلام کا اعتقاد کہاں تک کافی اور قابلِ قبول ہے۔

حضرت محمد کے الٰہی اعتقاد کے ماخذ ضرور بہت سے تھے۔ غالباً نیچر آپ کا سب سے بڑا معلم تھا۔ چنانچہ قرآن کے بعض نہایت فصیح مقامات میں خدا کی خالقانہ عظمت و بزرگی کا بیان پایا جاتا ہے۔ جب آپ عالمِ شباب میں بھیڑ بکریوں کی گلہ بانی کرتے تھے تب بھی ضرور اُس خالق بلندی و پستی کی بزرگ ہستی کا خیال آپ کے دل و دماغ میں سما گیا ہوگا۔ آپ کو ضرور یہ خیال آیا ہوگا کہ کوئی اعلیٰ ہستی آپ کے ہر چہار طرف اپنے وجود کے مظاہرے کے وسیلے سے جلوہ گر ہے۔ چنانچہ بعد کے زمانے میں جو خیالات آپ نے نہایت خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی بُت پرست قوم کے سامنے پیش کئے وہ اس زمانے میں آپ سیاروں، ستاروں اور تمام اجرام فلکی کی حرکات اور الٰہی دانائی و حکمت کی بین آیات سے حاصل کئے تھے۔ پھر کوہ حرا کی غار میں آپ کے مراقبے نے اسلامی عمارت کا خاکہ تیار کرنے میں آپ کو ضرور بہت مدد دی۔ حضرت محمد کی ذکی طبعیت اور دل و دماغ پر بسا اوقات یہ حقیقت نقش ہوگئی ہوگی کہ: خدائے تعالیٰ احکم الحاکمین ہمیشہ علانیہ شان و شوکت اور کروفر کے ساتھ اور رعد و برق کے شور و شعب سے باتند اور طوفانِ عظیم کے رُعب کے ساتھ ہی اپنی قادر ہستی کا اظہار نہیں کرتا بلکہ بخلاف اس کے بسا اوقات عالم خاموشی میں نہایت دھیمی آواز سے نیچر کے ذریعے سے اپنے آپ کو تمام کون و مکان کا خالق و مالک اور قادر مطلق خداوند ثابت کرتا ہے۔

پس ظاہر ہے کہ خدا کی نسبت حضرت محمد کے ابتدائی خیالات کی بنیاد اُنہیں حیرت خیز نیچری نظاروں پر تھی جو آپ کے ہر چہار طرف تھے۔ چنانچہ بار بار قرآن کی نہایت شستہ اور فصیح نظم میں آپ اہلِ عرب کو اُس علت العلل کی یاد و عبادت کی طرف بُلاتے ہیں۔ قرآن کی ان بتدائی سورتوں میں خدائے قادر کی قدرت وحی کا نہایت عمدہ نمونہ یوں مندرج ہے:

" هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ

(وہی ہے خوف واُمید کے لئے تمہیں بجلی دکھلاتا ہے اور وہی بھاری بادلوں کو لاتا ہے۔ رعد اُس کی حمد بیان کرتا ہے اور فرشتگان بھی ڈرتے ہوئے اُس کی توصیف کرتے ہیں۔ وہ رعد کو بھیجتا ہے اور اُس کے وسیلے سے جسے چاہتا ہے پکڑ لیتا ہے۔ پھر بھی وہ خدا کی بابت جھگڑتے ہیں لیکن وہ سخت قوت والا ہے)۔

پھر سورہ بقرہ کی ۱۶۴، ۱۶۵ ویں آیات میں یوں مرقوم ہے:

وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لاَّ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللّهُ مِنَ السَّمَاء مِن مَّاء فَأَحْيَا بِهِ الأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاء وَالأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ

(تمہارا خدا خدائے واحد ہے۔ اُس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ وہ رحمان اور رحیم ہے۔ زمین و آسمان کی پیدائش میں اور شب و روز کے اختلاف میں۔ دریا میں چلنے والی کشتی میں جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے اور بارش میں جو خدا آسمان سے نازل فرماتا ہے جس سے زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اور چوپایوں کو اُس پر منتشر کرتا ہے اور زمین و آسمان کے درمیان ہواؤں اور بادلوں کی تسخیر میں سمجھدار لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں)۔

پھر خدا کے بارے میں حضرت محمد کے اعتقاد کا دوسرا ماخذ آپ کے ہمعصر فرقہ حنیف تھا۔ فرقہ حنیف کے لوگوں نے ہر طرح کی بُت پرستی کو ترک کر کے تمام دیگر اہل عرب کے خلاف صرف خدائے واحد کی پرستش و عبادت اختیار کی تھی۔ حضرت محمد کا ان لوگوں سے ضرور میل جول تھا۔ اگر خدا کی بابت آپ کی تعلیمات کا عقائد و مسائل حنیف سے مقابلہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ خدائے تعالیٰ کے بارے میں آپ کے خیالات زیادہ تر اسی فرقے سے اخذ کئے گئے ہیں۔

سوم۔ خدا کے حق میں حضرت محمد کے خیالات اور عقائد زیادہ اُن میں یہودیوں اور عیسائیوں کی صحبت سے موثر ہیں جو آپ کے زمانے میں ملک عرب میں آباد تھے اگر کوئی اُن تمام یہودی کہانیوں کو پڑھے جو قرآن میں بار بار دہرائی گئی ہیں اور حضرت محمد کے دعویٰ کے سنانے کے لئے عبادت میں شامل کی گئی ہیں تو صاف معلوم ہو جائیگا کہ خدا اور دنیا میں خدا کی حکومت کے خیالات میں حضرت محمد کہاں تک یہودیوں کے قرضدار ہیں پھر اس کے ساتھ ہی اگر آپ کے تصورات کا جوش اور شاعرانہ طبیعت بھی مدِ نظر ہو تو بخوبی سمجھ میں آجائیگا کہ اہل اسلام کا الٰہی اعتقاد کن کن تاثیرات سے پیدا ہوئے ہیں۔

تمام محققینِ اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام کا سارا زور خدا کی توحید پر ہے۔ جو مشرک اپنے بُتوں کو چھوڑ کر لا الہ الا اللہ کہنا سیکھ لیتا ہے وہ فوراً شخصی عزت بلکہ دیوانگی حاصل کرتا ہے جس کے وسیلے سے وہ تمام مشکلات پر غالب آنے کے لائق خیال کیا جاتا ہے لیکن جیسا کہ ہم اس سے پیشتر کہہ چکے کہ خدا کی خالص توحید کی تعلیم انسان کی اصلاح کرنے اور اُس کے لئے پاکیزگی کا خاص خیال کرنے کے قابل نہیں ہے کیونکہ ان ساری باتوں کا دارومدار خدا کے کیرکٹر اور اُس کی صفات پر ہے۔ اب مسلمان پڑھنے والا

تمام تعصبانہ خیالات سے خالی ہو کر ہمارے ساتھ اس امر کی تحیق میں مشغول ہوئے کہ کتب اسلام میں خدا کے بارے میں کیا تعلیم پائی جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی خیال رہے کہ اگر کہیں زبان سخت معلوم ہو تو وہ اُس کے خلاف نہیں بلکہ اُن عقائد کے خلاف ہے جو خدائے پاک کی شان کے شایاں نہیں ہیں جن کو خدا کا ہر ایک مخلص بندہ واجبی غیرت سے رد کریگا۔

اب ہم اہل اسلام کے ابتدائی اور بعد کے تکمیل یافتہ الٰہی اعتقاد کی تحقیق کرتے وقت اکثر اوقات اُس کا مسیحی اعتقاد سے جس کی بنیاد توریت وانجیل کے الہام پر ہے مقابلہ کرینگے اور ہماری دعا ہے کہ وہ **وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ**، "راہ راست پر ہماری ہدایت ورہبری کرے۔

خدائے اسلام

باب اوّل

وحدتِ خُدا

قرآن میں وحدتِ خدا پر بکثرت عبارات پائی جاتی ہیں اور اُن میں سے بعض فصاحت وبلاغت سے پُر ہیں۔ مثلاً سورہ اخلاص میں یوں مرقوم ہے قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ (کہہ اللہ ایک ہے اور اللہ ازلی ہے۔ وہ جنتا نہیں اور نہ جنا گیا ہے اور نہ کوئی اُس کی مانند ہے) حضرت محمد متواتر نیچر کی خدا کی وحدت کی دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے۔ چنانچہ ایسی عبارات کے نمونے کے طور پر ہم اس جگہ آیت الکرسی درج کرتے ہیں جو کہ سورہ بقرہ میں یوں مندرج ہے۔ اللهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لاَ تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلاَ نَوْمٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلاَ يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلاَّ بِمَا شَاء وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ وَلاَ يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (سورہ بقرہ ۲۵۵ اللہ حی القیوم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ نہ وہ اونگتا ہے اور نہ سوتا ہے آسمان وزمین کی سب معموری اُسی کی ہے۔ کون اُس کے پاس شفاعت کر سکتا ہے سوائے اُس کے جس کو وہ اجازت دے؟ جو کچھ اُن کے آگے اور پیچھے ہے وہ سب جانتا ہے اور وہ اُس کے علم کے کسی حصے پر حاوی نہیں سوائے اُس پر جو اُسے پسند آتا ہے۔ اُس کی سلطنت تمام زمین وآسمان پر ہے اور وہ ان دونوں کی حفاظت سے ماندہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ بزرگ وبرتر ہے)۔

قرآن میں بار بار توحید الٰہی کے ثبوت میں شرک کی نامعقولی پیش کی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ مومن کی ۹۲ ویں آیت میں مرقوم ہے "ماتخذ اللہ من ولد وماکان معہ من الہ اذالذھب کل الہ بما خلق ولعلا بعضھم علیٰ بعض سبحان اللہ عمایصفون" (خدا کا کبھی کوئی بیٹا نہیں ہوا نہ کبھی اُس کے ساتھ کوئی خدا تھا۔ کیونکہ اس حال میں ہر ایک خدا اپنی مخلوق لے بھاگتا اور بعض اپنے آپ کو دوسروں پر برتری دیتے اللہ اُن سب باتوں سے پاک ہے جو وہ اُس کے حق میں کہتے ہیں) پھر سورہ انبیاء کی ۲۲ ویں آیت میں مرقوم ہے "لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (اگر زمین وآسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو ضرور وہ دونوں (زمین وآسمان) خراب ہو جاتے ہیں یعنی ان معبودوں کے باہمی مقابلہ اور نااتفاقی کے سبب سے تمام مخلوقات درہم برہم اور تباہ ہو جاتی۔

حضرت محمد نے بدرجہ غائت بُت پرستی کی تردید کی اور سوائے ایک مختصر اور عارضی وقفہ کے ہمیشہ تردید کرتے رہے۔ بتوں کو "شر شیطانی" کے نام سے نامزد کیا اور متواتر مکروہ و مردود ٹھہرایا۔ صاف بیان کیا کہ بُت ہمارے نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتے اور بُت پرستوں کی سزا کو نہایت ہولناک صورت میں پیش کیا۔ آپ نے صرف لامذہب عربوں ہی بُت پرستی کو ملعون و مذموم قرار نہیں دیا بلکہ ایک اور اعتقاد کو جس کے مطابق فرشتگان کو بیویوں اور بیٹیوں کے طور پر خدا سے منسوب کیا جاتا تھا۔ نہایت ہجو یہ الفاظ میں مذموم بیان کیا۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل کی ۴۲ آیت میں مرقوم ہے " أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلآئِكَةِ إِنَاثًا " (کیا تم کو تمہارے رب نے بیٹے چن دئے اور اپنے لئے فرشتوں سے بیٹیاں لیں؟) اسی طرح سے الٰہی انتظام میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک ماننے کے خیال کی بھی قرآن نے تردید کی چنانچہ سورہ انعام کی ایک سو پہلی آیت میں یوں مندرج ہے "تو بھی وہ جنوں کو اُس کا شریک بناتے ہیں حالانکہ اُس نے اُنہیں پیدا کیا ہے"۔

لیکن حضرت محمد نے صرف بُت پرستی کی تردید نہیں کی بلکہ مسیحیوں کو مشرک ٹھہرایا اور اُن پر تین خدا ماننے کا الزام لگایا۔ اس الزام کی بنیاد تعلیم تثلیث پر تھی جس میں مسیح کی الٰہی انبیت شامل ہے۔ یہودیوں پر بھی یہ الزام لگایا کہ وہ عذرا کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں حالانکہ نہ اُن کتابوں میں اس کا ذکر ہے اور نہ اُن کی روایات ہی میں اس کا کچھ پتہ ملتا ہے کہ اُنہوں نے کبھی عذرا کو ابن اللہ یا خدا کا بیٹا کہا۔ تثلیث کی نسبت جو بیشمار حوالجات قرآن میں پائے جاتے ہیں اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ راسخ الاعتقاد مسیحیوں میں تثلیث کی جو تعلیم مانی اور سکھائی جاتی ہے آپ اُسے مطلق نہیں سمجھے۔ ایک سے زیادہ مرتبہ غلطی سے باپ، بیٹے اور مریم کو تثلیث کے اقانیم ثلاثہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ چنانچہ سورہ مائدہ کی ۷۷ ویں آیت سے ۷۹ ویں آیت تک یوں مرقوم ہے " لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُواْ إِنَّ اللّهَ ثَالِثُ ثَلاَثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَـهٍ إِلاَّ إِلَـهٌ وَاحِدٌ وَإِن لَّمْ يَنتَهُواْ عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ أَفَلاَ يَتُوبُونَ إِلَى اللّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلاَّ رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلاَنِ الطَّعَامَ۔

(کافر کہتے ہیں یقیناً اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ مسیح ابن مریم محض ایک رسول ہے۔ اُس سے پیشتر رسول ہو چکے ہیں اور اُس کی ماں مومنہ تھی۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے) پس اب قرآن ہی کے بیان سے اظہر من الشمس ہے کہ تثلیث کی جس تعلیم کو مسیحی مانتے اور سکھاتے ہیں حضرت محمد نے اُس کی تردید نہیں کی بلکہ لاعلمی کے سبب سے ایک خیالی اور وہمی تین خداؤں کے ایمان کی مخالفت کرتے رہے۔ چنانچہ سورہ مائدہ کی ۱۱۶ ویں آیت میں مندرج ہے۔ وَإِذْ قَالَ اللّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَـهَيْنِ مِن دُونِ اللّهِ (اور جب خدا نے کہا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تو نے لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود مانو؟) حضرت محمد کی غلطی مضاعف تھی ایک تو آپ نے اقانیم تثلیث میں روح القدس کی جگہ مریم کو شامل کیا اور دوسرے یہ خیال کیا کہ مسیحی لوگ اقانیم ثلثہ تثلیث کو جُدا جُدا تین خدا مان کر اُن کی عبادت کرتے ہیں۔ پس جس بات کی قرآن بڑے زور و شور سے تردید کرتا ہے وہ الٰہوں کی کثرت ہے۔ مسیحی لوگ بھی ایسے مشرکانہ خیال و اعتقاد کی تردید کرنے میں مسلمانوں سے کم غیرت مند نہیں ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ نیک نیت و حق پسند مسلمان حضرت محمد کیا ان غلطیوں کی موجودگی میں کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کلام اللہ ہے جو جبرائیل فرشتہ کی معرفت حضرت محمد پر نازل ہوا۔ اس مقام پر یہ امر نہایت ہی قابل غور ہے کہ عرب میں علم الاشیاء قدیمہ کی معلومات زبان اور تواریخ کے فتویٰ کی پورے طور سے تصدیق کر رہی ہیں اور اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو مسیحی عرب میں آباد تھے وہ اقانیم ثلثہ تثلیث میں باپ، بیٹے اور روح القدس ہی کو شامل کرتے تھے کیونکہ یمن میں ڈاکٹر ایڈورڈ گلیسر صاحب نے مسیحی لوگوں کی یادگاروں کو دریافت کیا تو ان پر ۵۴۲ء کا یہ لکھا پایا کہ "خدائے رحیم اور اُس کے مسیح اور روح القدس کی قدرت سے"۔

مسیحیوں کے الٰہی اعتقاد کی بنیاد اُن الفاظ پر ہے جو سیدنا مسیح نے استعمال کئے جیسا کہ انجیل مرقس کے ۱۲ویں باب کی ۲۹ویں آیت میں مرقوم ہے "اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے" مسیحی اعتقاد میں تثلیث فی التوحید ہے نہ کہ جُدا جُدا تین خداؤں کی تعلیم۔ لیکن حضرت محمد نے غلط فہمی کی اور اس غلط فہمی میں آپ کے مومنین بھی اُس وقت سے آج تک شریک ہوتے چلے آئے ہیں۔ آپ نے مسیح کی الٰہی ابنیت کو نہ سمجھا اور یہ خیال کر کے کہ مسیحی لوگ مسیح کو خدا کا جسمانی بیٹا مانتے ہیں اُس کی تردید کی۔ آپ کی یہ غلط فہمی قرآن سے بخوبی ظاہر ہے چنانچہ مثال کے طور پر ہم ایک دو آیتیں نقل کرتے ہیں۔ سورہ انعام کی ایک سو پہلی آیت میں مندرج ہے بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ (وہ زمین و آسمان کا خالق ہے۔ اُس کا بیٹا کہاں سے ہوگا جبکہ اُس کی کوئی بیوی نہیں ہے)۔ پھر سورہ مومن کی ۹۲ویں آیت میں مرقوم ہے "وما اتخذ اللہ من ولد" (خدا کا کوئی بیٹا نہیں ہے)۔ مفسر زمخشری کی تفسیر کے مطالعے سے کسی قدر معلوم ہو سکتا ہے کہ ابنیتِ مسیح کے بارے میں مسلمانوں کے کیا خیالات ہیں۔ چنانچہ مفسر مذکور سورہ نساء کی ۱۶۹ویں آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ اس مقام پر قرآن اُنہی کے (مسیحیوں کے) الفاظ کو پیش کرتا ہے کہ خدا اور مسیح اور مریم تین خدا ہیں اور مسیح خدا اور مریم کا بیٹا ہے "جب مسلمانوں کے ذہن میں تثلیث کے بارے میں ایسے خیالات ہیں تو کچھ تعجب نہیں کہ عقیدہ تثلیث کو توحید کا منافی سمجھتے ہیں لیکن اگر ٹھیک طور سے سمجھ لیا جائے تو مسئلہ تثلیث ہر گز ہر گز منافی توحید نہیں ہو سکتا۔ مسیحی بھی خدا کی وحدت و توحید پر بہت زور دیتے ہیں اور مسلمانوں کی طرح مانتے ہیں کہ صرف ایک ہی خدا ہے۔ مریم کو خدا ماننا اور اُس کی خدا کی سی عبادت کرنا اور مسیح کو خدا کے سوا ایک اور خدا ماننا تمام مسیحیوں کے نزدیک کفر عظیم ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ "ایک زندہ و ازلی خدا کی ذات پاک میں یا اُس قدوس کی واحد ذات و ہستی کے اندر اندر اقانیم ثلثہ ہیں" ہر گز ہر گز توحید الٰہی کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ بخلاف اس کے یہ حقیقت دین اور فلسفہ میں بہت سی باتوں کے سمجھنے میں مدد کرتی ہے اور "کلمۃ اللہ" و "روح اللہ" وغیرہ مسیح کے القاب پر جو کہ کسی محض انسان کے حق میں استعمال نہیں ہو سکتے بخوبی روشنی ڈالتی ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اگر برادران اہلِ اسلام اپنے پُرانے خیالات کو چھوڑ کر اور مسیح کی ابنیت کے جسمانی خیال کو ترک کر کے اُسے روحانی تعلیم کے طور پر سمجھنے کی کوشش کریں تو اُن کو مسیحی تعلیم تثلیث میں کوئی ایسی بات نہیں آئیگی جس سے خدا کی وحدت کی مخالفت ہو۔ پہلے تمام مخلوقات سے خدا کے وجود کا جدا تصور کریں اور اُسے اُسکی بے نظیر و پُر جلال توحید کے تخت پر دیکھیں اور پھر ذہن کی آنکھیں کھول کر واحدِ خدا کی ذات پر غور کریں۔ جیسا کہ خدا کی صفات میں کثرت دیکھتے ہیں ممکن ہے کہ اُس کی واحد ذات میں بھی کثرت کا مشاہدہ کریں۔ لیکن اس ذاتی و صفاتی کثرت سے اُس کی وحدت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ وہ ویسا ہی لاثانی اور وحدہ لاشریک لہ رہتا ہے۔ پس مسیحیوں اور محمدیوں میں امر متنازعہ یہ نہیں کہ آیا خدا ایک ہے یا ایک سے زیادہ ہیں بلکہ اصل مبحث یہ ہے کہ واحدِ خدا کی ذات کیسی ہے اور اُس ذات میں کونسے راز مخفی و سربستہ ہیں۔

اگر اہل اسلام خدا کی ذات پر اس طرح سے غور کرنا شروع کریں تو ہمیں پختہ یقین ہے کہ اُن کی بہت سی مشکلات کافور ہو جائیگی۔ اس مقام پر یہ امر ملحوظ ظاہر ہے کہ خدا کی تثلیث فی التوحید ذاتِ الٰہی کا مکاشفہ ہے اور مسیحیوں کے ایمان کی بنیاد اسی حقیقت پر ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے متعلق بہت سی مشکلات ہوں لیکن یہ مشکلات اُن مشکلات سے ہر گز ہر گز بڑی خیال نہیں کی جا سکتیں جو اُس خشک توحید سے علاقہ رکھتی ہیں جس کے لحاظ سے خدا ہمیشہ سے ایک سنسان تنہائی میں موجود ہے۔ یا یوں کہیں کہ محب بے محبوب ہے یا عالم بلا معلوم ہے۔

ہم ہر چہار طرف سے راز رموز سے محصور ہیں اور اُن اسرار سے تثلیث فی التوحید کی نسبت بہت سے اشارات ملتے ہیں۔ مثلاً آفتاب میں قوت، گرمی، اور روشنی یا ہر انسان فرد واحد میں جسم، ذہن اور روح پر ہے۔ پس اگر خدا کی ذاتِ واحد میں ہستیوں کی کثرت پائی جائے تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے بہر حال جبکہ ہم مخلوقات کے اسرار کو سمجھنے سے عاجز و قاصر ہیں تو کیا" یہ چھوٹا منہ اور بڑی بات کا مصداق بننا نہیں ہے کہ ہم الٰہی ذات کے اسرار کو سمجھنے کا دعویٰ کریں اور خود رائے بن کر اُس کی ذات میں تثلیث کے امکان کے منکر ہوں۔

بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کے لحاظ سے الٰہی وحدت میں کسی نہ کسی طرح کی کثرت ماننی پڑتی ہے۔ مثلاً انسانیت کا ایک اعلیٰ و پاکترین تقاضا "محبت" ہے۔ انسان محبت کرتا ہے اور یہ بھی آروزر کھتا ہے کہ اُس کے ہم رُتبہ ہمجنس اُس سے محبت رکھیں کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا خود انسان کا خالق کسی وقت اس وصف "محبت" سے خالی تھا؟ کیا وہ دنیا اور فرشتگان کی پیدائش سے پیشتر خالی از محبت خشک وحدت میں موجود تھا؟ اس قسم کے خدا کی شخصیت بمشکل ہی متصور ہو سکتی ہے۔ کیونکہ شخصیت کا مفہوم ایسی ذات ہے جس کو اپنی اور اپنے خواص کی ہستی کا علم و احساس ہو یعنی اُس کے لئے عالم و معلوم ہونا ضرور ہے۔ ہمہ اوست والوں نے بھی اس حقیقت کا اقرار کیا ہے اور ایک طرح کی تثلیث قائم کی ہے جس کا دار و مدار کائنات ہی پر رکھا ہے۔ اُن کے خیالات کے مطابق خدا اپنے آپ کو کائنات سے تمیز کرتا ہے اور اس طرح اپنی ہستی کے احساس کی صفت سے متصف ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "چونکہ خدا ازلی ہے وہ ہمیشہ اپنی ذات کے احساس کے لئے اپنے مقابلے میں فطرت کو قائم رکھتا ہے" مسیحی علما اس الٰہی ذات کے احساس کا ذریعہ سیدنا مسیح خدا کے ازلی بیٹے میں پاتے ہیں۔ لہذا مسیحی فلسفہ الٰہی الہام سے پوری پوری مطابقت رکھتا ہے۔ اگر اہل اسلام مندرجہ بالا بیان کو سیدنا مسیح کے بیان کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو صاف معلوم ہو جائے گا۔ کہ اسلامی خشک توحید کے مقابلے میں تثلیث فی التوحید کی تعلیم نہایت ہی اعلیٰ و تسلی بخش ہے۔ سیدنا مسیح کے دعائیہ الفاظ کیسے پُر معنی ہیں چنانچہ وہ فرماتا ہے "اے باپ تو اُس جلال سے جو میں دنیا کی پیدائش سے پیشتر تیرے ساتھ رکھتا تھا مجھے اپنے ساتھ جلالی بنادے" پھر فرمایا "تو نے مجھے بنائے عالم سے پیشتر مجھ سے محبت رکھی" (یوحنا ۱۷: ۵، ۲۴)۔

اسمائے الٰہی مندرجہ قرآن میں سے ایک "القیوم" ہے کیا لیکن القیوم کا یہ تقاضہ نہیں کہ کسی طرح کی کثرت اُس ذات واحد کے اندر اندر پائی جائے تاکہ اُس ذات کا کامل اظہار ہو؟ شہر لاہور کی پُرانی مسجدوں میں سے ایک کی دیوار پر "اللہ کافی" کندہ ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات میں وہ سب کچھ موجود ہے جو اُس کے کامل اظہار کے لئے ضرور ہے۔ پھر "الودود" کہلاتا ہے۔ اس سے بھی اظہر من الشمس ہے کہ وہ محبت و محبوب اور محبت کے تمام لوازم اپنی ذاتِ واحد میں رکھتا ہے اور کسی بیرونی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ اگر خدا واجب الوجود اور القیوم ہے تو ضرور اُس کی ازلی محبت کے لوازم اُس کی ذات پاک میں موجود ہیں۔ اسلامی خشک الوہیت کے خیال کے مطابق تو خدا صفتِ محبت سے عاری ٹھہرتا ہے درحالیکہ اُس کے مخلوق انسان میں محبت کا جذبہ موجود ہے۔ لیکن یہ بات تو غیر متصور ہے کیونکہ خالق اپنی ذات و صفات میں مخلوق سے ادنیٰ نہیں ہو سکتا۔

الغرض چونکہ تثلیث کی تعلیم میں مشکلات پیش آتی ہیں اس لئے یہ انسانی اختراع نہیں ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ تعلیم موحد یہودیوں سے رائج ہوئی جن کا میلان خاطر اس کے خلاف ہونا چاہیے تھا۔ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ سب کہنے کے بعد انسان کو لازم ہے کہ خدا کی ذات کا عرفان حاصل کرنے کے لئے الٰہی الہام کو اپنا رہنما بنائے۔ کیونکہ انسان اپنی جستجو سے خدا کو نہیں پا سکتا اور اپنے ناقص علم کے وسیلے سے اُس کی لامحدود ذات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا۔ خدا کو پورے طور سے جاننے کے لئے ضرور ہے کہ ہم خود خدا ہوں یا برعکس اس کے یوں کہیں کہ جس کو انسان پورے طور سے جان سکے وہ خدا بھی نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ بالا بیانات کے مطابق جبکہ خدا کی ذاتِ واحد میں کسی طرح کی کثرت کا ہونا ضرور ہے اور کلام اللہ سے اُس کی ذات کے بارے میں تثلیث فی التوحید کی تعلیم ملتی ہے تو ایمان مضبوط ہوتا ہے اور امید تازہ ہوتی ہے۔ جب سیدنا مسیح اپنے متحیر شاگردوں کے سامنے آسمان پر صعود فرما رہے تھے اُس نے اُنہیں فرمایا "جاؤ اور قوموں کو باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے (نہ کہ ناموں سے) بپتسمہ دے کر شاگرد بناؤ" مسیحی لوگ اسی نام کی منادی کرتے ہیں۔ باپ تمام چیزوں کو منبع و سرچشمہ ہے۔ بیٹا ازل سے باپ کے ساتھ ہے اور روح القدس باپ اور بیٹے سے صادر ہے اور ایک ہی خدا ہے۔

اسلام میں خدا اپنی خشک توحید اور بیگانہ وار بزرگوں میں ایسا نظر آتا ہے کہ اُس کی ذات صفات جو بیان کی جاتی ہے اُس میں قائم نہیں ہوتیں۔ لہذا اسلام خدا کی تعریف میں قاصر ہے اور توریت و انجیل کی الٰہی تعلیم اور مکاشفات کا مخالف ہے۔

باب دوم

صفاتِ خدا

قرآن اور احادیث میں جو صفاتِ خدا سے منسوب کی گئی ہیں اُن کو عموماً ازلی بیان کیا ہے وہ ننانوے (۹۹) اسمائے الٰہی کے نام سے مشہور ہیں۔ لہذا خدا کی صفات پر غور و فکر کرتے وقت ان ننانوے اسمائے صفات پر غور کرنا از بس ضروری ہے۔ خدا کا اسم الذات یا ذاتی نام اللہ ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ یہ نام ننانوے ناموں کی فہرست میں شامل نہیں ہے۔ اسمائے صفات کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل اسماء الجلالیہ دوم اسماء الجمالیہ۔ یہ سب نام آپ ہی اپنی شرح کرتے ہیں۔ مثلاً الرحمٰن پہلی قسم کی فہرست میں آتا ہے لیکن المنتقم دوسری قسم کی فہرست میں آئیگا۔ اسلام کے علم الٰہی میں ان ناموں کی اہمیت کا ذکر کرتے وقت مبالغہ کرنا مشکل ہے کیونکہ ان کے وسیلے سے نہایت صفائی اور صراحت کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کی صفات اور کیرکٹر کے بارے میں اہل اسلام کا خیال و اعتقاد کیا ہے۔ ان ناموں کے ورد کا بہت ہی بڑا ثواب ہے۔ چنانچہ مشکوات میں یوں مرقوم ہے "من احصاھا دخل الجنہ" (جو کوئی ان کا ورد کرتا ہے بہشت میں جائے گا)۔

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ بہت سے دینی معلموں کی غلطی اس میں نہیں جو کچھ وہ خدا سے منسوب کرتے ہیں بلکہ اس بات میں ہے کہ وہ بہت سے ایسے امور کو نظر انداز کرتے ہیں جنہیں خدا سے منسوب کرنا چاہیے۔ ان ننانوے وصفی ناموں میں سے زیادہ تر خدا کی قہاری و جباری کا اظہار کرتے ہیں اور اُس کے جلال کا بیان کرنے والے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ بیشک یہ سچ ہے کہ قرآن میں ایک سورہ کے سوا سب کے شروع میں خدا کو "رحیم و رحمٰن" لکھا ہے اور بار بار اس کو غافر الذنوب بیان کیا ہے لیکن یہ حقیقت پھر بھی قائم رہتی ہے کہ قرآن خدا کو زیادہ تر صاحب قدرت اور مطلق العنان حاکم ہی بیان کرتا ہے اور خدا کی فرمانبرداری کی بنیاد اُس کا خوف اور محبت بالکل مفقود ہے۔ خدا کے اخلاق کے متعلق صرف چار الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور اگرچہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ایک طرح سے یہ اخلاقی صفات ہیں تو بھی قرآن میں صرف دو ہی الفاظ ملتے ہیں اور اسلامی علم الٰہی میں اُن کے بھی معانی مشتبہ و مشکوک ہیں۔ خدا کی قہاری و جباری کی صفات قرآن میں بار بار ذکر کی گئی ہیں۔ خدا کی اخلاقی صفات کا خلاصہ یا ماحصل اُن دو آیتوں میں پایا جاتا ہے جن میں مندرج ہے کہ اللہ پاک اور صادق العقول ہے۔ قرآن بتاتا ہے اور احادیث سے اس کی تشریح کی جاتی ہے کہ حضرت محمد کو کسی حد تک خدا کی جسمانی صفات کا خیال تو تھا لیکن اُس کی اخلاقی صفات کا خیال یا تو تھا ہی نہیں یا بلکل غلط تھا۔ آپ نے فطرت میں خدا کی قدرت کو دیکھا لیکن اُس کی پاکیزگی اور اُس کے عدل و انصاف کی جھلک آپ کو نصیب نہ ہوئی۔

جب خدا کے ننانوے ناموں کی فہرست میں "باپ" نظر نہیں آتا تو مسیحی آدمی کو اس سے سخت حیرت ہوتی ہے۔ اگر قرآن و احادیث کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بائبل کے مکرر اعلان "خدا جہان کو پیار کرتا ہے" کا نہ پایا جانا از حد پریشانی پیدا کرتا ہے جس دین میں ابتدائے عالم سے پیشتر ہی سے خدا جہان کو پیار کرنے والا نہیں اُس میں یہ تعلیم کہاں پائی جاسکتی ہے کہ کائنات کی تخلیق کے بعد سے خدا اپنی مخلوقات کو پیار کرتا ہے۔ لفظ "اسلام" اس امر کے اظہار کے لئے کافی ہے کہ خدا اور انسان میں بجائے باپ اور بیٹے کے آقا اور غلام کا رشتہ ہے۔ اور انسان کا رتبہ صرف یہی ہے کہ قادرِ مطلق خدا کی مرضی کا محض مغلوب ہی ہو۔

اہل اسلام بحیثیتِ مجموعی ان ننانوے اسمائے صفات سے بہت ہی متاثر ہوئے ہیں۔ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ" کے بعد سب سے زیادہ "اللہ اکبر" مسلمانوں در د زبان ہے۔ پس اہل اسلام کا تصور جو خدا کے بارے میں ہے اُس میں کچھ محبت نہیں جو عابد کو معبودوں کی طرف طبعاً مائل کر کے فرمانبردار بنائے تاکہ وہ محبت اور دلی رغبت سے خدا کی مرضی

کا مطیع بنے۔ خدا کا اسلامی تصور یہ تقاضا کرتا ہے کہ خدا کی ایک جابر حکم کی مانند غلامانہ فرمانبرداری کی جائے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ فرزندانہ محبت میں بہت کمی واقع ہوئی ہے۔ حضرت محمد نے مسیح کی ابنیت کی تردید کی اور اس کا اسباب یہ تھا کہ آپ اُس کو روحانی پیرایہ میں نہ بیان کر سکے اور نہ سمجھ سکے لیکن خدا کو آپ نے ایسا جسمانی تصور کر لیا کہ گویا وہ تخت پر بیٹھا اپنے ہاتھ سے تقدیر ہائے نیک و بد لکھ رہا تھا۔ اب کیا ہم نہیں کہہ سکتے کہ حضرت محمد کا خیال خدا کی شخصیت کے بارے میں بالکل غلط تھا اور اسی واسطے آپ اس خیال میں الجھ گئے کہ مسیح کی ابنیت کی نسبت مسیحی تعلیم کو یوں تصور کیا کہ اُس کے مطابق گویا وہ مریم طاہرہ سے جسمانی طور پر پیدا ہوا۔

باب سوم

عقائد تجسم خدا

قرآن کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہشت و دوزخ کے متعلق بیانات مادی ہیں۔ کیونکہ حضرت محمد نے زیادہ تر اہلِ بہشت کی نفسانی عیش و عشرت اور اہلِ دوزخ کے جسمانی عذاب ہی کے بیان میں اپنے تمام تصورات کو صرف کیا ہے۔ قرآن اور احادیث میں ایمانداروں کو بہشت میں بہت سی نفسانی خوشیوں کے وعدے دیئے گئے ہیں۔ اُن خوشیوں کے بیان نہایت مفصل اور مشرح طور پر مندرج ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ شرابِ طہور کی نہریں جاری ہونگی اور موٹی موٹی سیاہ آنکھوں والی حوریں اہل جنت کی خوشی کو کامل کرینگی۔ بخلاف اس کے دوزخ نہایت ہی ہیبت ناک جگہ ہے۔ وہاں اہل دوزخ کو آتشی لباس پہنا جائیگا اور ابلتا ہوا پانی اُن کے سروں پر ڈلا جائے گا۔ جس کی گرمی سے اُن کی آنتیں پگل کر نکل جائینگی اور لوہے کے گرزوں سے اُن کو ماریںگے۔ خون اور پیپ کا مرکب انہیں کھانے کو ملیگا اور اُن بدبختوں کو سانپ اور بچھو متواتر ڈنک مارتے رہینگے۔ حضرت محمد کا خیال اس جسمانی سوزش کے عذاب سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ اس قسم کی سزا کو بہت سے شہیدوں نے مسکراتے ہوئے برداشت کیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ کے جہنم میں ذہنی اور عقلی سزا کا نام تک نہیں پایا جاتا۔

پس کچھ تعجب کا مقام نہیں کہ جب حضرت محمد کا دماغ ایسے مادی بہشت و دوزخ کے خیال سے پُر تھا تو آپ نے خدا کو بھی ایسا ہی مادی بیان فرمایا۔ چنانچہ قرآن میں بہت سے مقامات پر خدا کے چہرے اُس کے ہاتھوں اور اُس کی آنکھوں کا ذکر ہے اور اُسے ایک تخت پر بیٹھا ہوا تصور کیا ہے۔ مفسر حسین لکھتا ہے کہ اس تخت کے آٹھ ہزار پائے ہیں اور ہر دو پایوں کا درمیانی فاصلہ تیس لاکھ میل ہے! قرآن و احادیث کے ان مقامات کی شرع میں مفسرین کو بڑی مشکل پیش آتی ہے اور اُنہوں نے صرف یہ طریقہ پسند کیا ہے کہ ان باتوں کو بے تفسیر اور بے دلیل ہی تسلیم کیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم مالک ابن انس کے بیان کو پیش کرتے ہیں۔ وہ خدا کے تخت پر بیٹھنے کی نسبت یوں لکھتا ہے "خدا کا تخت پر بیٹھنا تو معلوم ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ وہ کس طرح بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو ماننا فرض ہے اور کسی طرح کی چون وچرا کرنا بدعت ہے"۔ اس مقام پر یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق مادی لوحِ محفوظ سے نقل ہو کر مادی کتاب آسمان سے نازل ہوئی لہذا اس کا مقام یعنی تختِ خدا بھی مادی ہونا چاہیے۔ پس جب مادی تخت تسلیم کر لیا تو خدا کو مادی ماننے میں ایک ہی قدم باقی رہ جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے یہ قدم باقی نہیں رکھ چھوڑا اور خدا کو مادی جسم و صورت کے ساتھ تصور کیا ہے لیکن پھر بھی جیسا کہ ترمذی کے بیان سے ظاہر ہے علمائے اسلام اس امر کے باب میں نہایت ہی ششدر و حیران ہیں۔ حضرت محمد نے کہا تھا "خدا ساتوں آسمانوں کے سب سے نچلے پر اُتر آیا" جب ترمذی سے اس کی نسبت پوچھا گیا تو اُس نے جواب دیا کہ "خدا کا اُتر آنا تو قرین قیاس اور معقول بات ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ کس طرح سے اُتر آیا۔ اس پر ایمان لانا فرض ہے لیکن اس کے متعلق تحقیقات کرنا مذموم و بدعت ہے"۔

بیشک فرقہ معتزلہ اور دیگر بدعتی فرقوں کے علماء نے اس قسم کے تمام مادی خیالات کی تردید کی اور تجسم کے الفاظ کے روحانی معانی بیان کئے لیکن راسخ الاعتقاد فرقوں کے علماء نے اُنہیں خوب سرزنش کی اور اُن میں سے بہت سے اس جرات و تہور کے سبب سے مار ڈالے گئے۔ پھر جب اُن کو مقدرت نصیب ہوئی تو اُنہوں نے بغدادی سلطنت کے زمانے میں راسخ فرقوں سے وہی سلوک کیا۔ جلال الدین السیطوی ان کے ظلم و تشدد کے باب میں بیان کرتا ہے کہ خلیفہ الواثق نے احمد (بن نصر الکفائی) محدث کو بغداد میں طلب کیا اور اُس سے قرآن کے خلق کئے جانے اور قیامت کے دن دیدار الٰہی کے بارے میں سوال کیا خلیفہ مذکورہ خود اُن دونوں کا منکر تھا۔ احمد نے جواب دیا "ستروں ربکم یوم

القیامتہ کماترون القمر) روزِ قیامت میں تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھتے ہو) الواثق نے کہا "تو جھوٹ بولتا ہے"، "احمد نے جواب دیا" نہیں میں جھوٹ نہیں بولتا بلکہ تو جھوٹ بولتا ہے "اس پر خلیفہ نے کہا" کیا خدا ایک دائرے میں اُس مادی چیز کی مانند نظر آئیگا جس کو جگہ مقید کر سکتی ہے اور آنکھیں دیکھ سکتی ہیں؟ یہ کہکر معتزلہ پیشوا نے اٹھ کر اپنے ہاتھ سے احمد کو قتل کیا۔ تاہم آخر کار راسخ الاعتقاد فرقے کے لوگ غالب آئے اور نتیجۃً ہر ایک پکے مسلمان کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ قیامت کے روز خدا مادی طور پر نظر آئے گا اور اس عقیدے کی بنیاد قرآن واحادیث کے صاف وصریح الفاظ پر ہے۔ چنانچہ سورہ قیامت کی ۲۲ویں آیت میں یوں مرقوم ہے۔ **وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ** " کتنے منہ اُس دن اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوئے تازہ ہونگے)۔ حضرت محمد کی بہت سی احادیث خدا کے مادی دیدار کے متعلق موجود ہیں اور اُن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس امر کے بارے میں آنحضرت کے خیالات کیسے تھے یہاں تک کہ شک وشبہ کی مطلق گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ مشکوات المصابیح میں مرقوم ہے " **قَالَ إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ فَيَقُولُونَ أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيَرفع الْحِجَابَ فَينظُرونَ إِلى وجه الله تعالى فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ** (پیغمبر نے فرمایا کہ جب اہلِ جنت میں داخل ہونگے تو اللہ تعالیٰ اُن سے کہیگا کیا تم چاہتے ہو کہ تمہیں اور دوں؟ تب وہ کہینگے کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا اور کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا اور آتش دوزخ سے نہیں بچایا؟ تب خدا پردہ اٹھائیگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے چہرے پر نظر کرینگے۔ اُن کو دیدار الٰہی سے زیادہ مرغوب کوئی چیز نہیں دیجائیگی)۔ اگر کوئی معراج کا بیان پڑھے تو اُس پر بخوبی ظاہر ہو جائیگا۔ کہ علمائے اسلام نے کہاں تک حضرت محمد کی شان میں مبالغہ وغلو سے کام لیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ " خداوند مجھ سے ملاقات کرنے کو آیا اور مجھ کو مرحبا کہنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا اور میرے چہرے پر نظر کی اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کی انگلیوں کے سروں کی ٹھنڈک محسوس کیا" پھر ایک اور موقع پر جب آپ سو رہے تھے خدا ملاقات کو آیا۔ چنانچہ مشکوات المصابیح میں یوں مندرج ہے "**وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ**" (اُس نے اپنی ہتھیلیوں کو میرے کندھوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اُس کی انگلیوں کی ٹھنڈک کو اپنے سینے میں محسوس کیا۔

اس بات کے ثبوت میں کہ مندرجہ بالا بیان راسخ الاعتقاد مسلمانوں کی تعلیم ہے ہم ذیل کا بیان جوہرہ سے نقل کرتے ہیں۔ ۱۰۷ سے ۱۱۲ صفحے تک یوں مرقوم ہے " خدا کو دیکھنا اس دنیا میں بھی اور عالمِ آخرت میں بھی ممکن ہے۔ اس دنیا میں تو صرف حضرت محمد ہی کو خدا کا دیدار نصیب ہوا ہے اور عالمِ آخرت میں تمام مومنین اُسکو دیکھینگے بعض کا خیال ہے کہ صرف آنکھوں سے دیکھینگے۔ بعض کے نزدیک تمام چہرے سے اور بعض کہتے ہیں کہ تمام جسم سے یا جسم کے تمام اعضاء سے دیکھینگے۔

مومنین کے اجر کے بارے میں قرآن میں ایک مشہور آیت ہے اور صحیح احادیث کی سند سے مفسرین اس آیت سے دیدار الٰہی کی طرف اشارہ پاتے ہیں۔ چنانچہ سورہ یونس کی ۲۷ویں آیت میں مندرج ہے "**لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ**" (جنہوں نے بھلائی کی اُن کے لئے بھلائی اور زیادتی ہے) مفسرین کہتے ہیں کہ " بھلائی " سے بہشت اور گناہوں کی معافی مراد ہے اور " زیادتی " کا فہوم فرحت افزا دیدارِ خدا ہے۔ چنانچہ خلاصۃ التفاسیر کا مصنف اس آیت کی تفسیر میں یوں لکھتا ہے " حسنیٰ سے جنت اور

مغفرت۔۔۔اور زیادتی سے دیدار الٰہی مراد ہے۔اسی آیت کی تفسیر میں عباس یوں لکھتا ہے " الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ: يعنى النظر إلى وجه الله (حسنیٰ سے جنت اور "زیادتی" سے خدا کے چہرے پر نظر کرنا مراد ہے۔

اب ممکن ہے کہ کوئی یوں کہے کہ مندرجہ بالا حوالجات میں جن مقامات کا ذکر ہوا ہے اُنہی کی مانند بائبل میں بھی خدا کے چہرے اور ہاتھ وغیرہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ایک طرح سے یہ بالکل سچ ہے لیکن بائبل سے مادی خدا کی تعلیم قائم نہیں ہوتی۔ کیونکہ بائبل میں (اس قسم کے جتنے مقامات ہیں اُن کے معانی سوائے بالکل روحانی اور تشبیہی کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے۔ مثلاً صاف لکھا ہے کہ " خدا روح ہے "(یوحنا۴: ۲۴)۔ " کبھی کسی آدمی نے خدا کو نہیں دیکھا"(یوحنا۱: ۱۸)۔ " خدا نے نادیدہ "(کلسیوں ۱: ۱۵)۔ پُرانے عہد نامے میں بھی جہاں جہاں خدا کے ظاہر ہونے کا ذکر ہے وہاں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ خداوند کا "فرشتہ "لوگوں کے ساتھ چلتا ہے اور اُن سے ہم کلام ہوتا تھا۔ مسلمان مفسرین کے مبالغوں سے پُر بے ٹھکانہ بیانات اور بائبل کے بیان میں زمین وآسمان کا فرق ہے "مفسرین اسلام کے ان بیانات کی بنیاد حضرت محمد کے صاف وصریح الفاظ پر ہے۔ حضرت محمد نے خدا کو اور شیطان کو مادی وجود کے ساتھ متصور کیا ہے۔ چنانچہ مشکوات المصابیح میں شیطان کے بارے میں یوں مندرج ہے " وَوَقْتُ صَلاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعُ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتْ الشَّمْسُ فَأَمْسِكْ عَنْ الصَّلاةِ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ " (نمازِ صبح کا وقت صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک ہے لیکن جب آفتاب بلند ہوتا ہے نماز سے بازرہو کیونکہ یقیناً وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان سے بلند ہوتا ہے)۔

مشکوات میں ایک اور حدیث مرقوم ہے جو خدا کے مجسم ہونے اور تقدیر کی خوفناک تعلیم دیتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے " قَالَ: إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بِيَمِينِهِ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فقَالَ: خَلَقْتُ هَؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُونَ. ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بيده فَاسْتَخْرَجَ ذُرِّيَّةً فقَالَ: خَلَقْتُ هَؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُونَ (کہا محمد نے) بیشک اللہ نے آدم کو خلق کیا اور اُسکی پیٹھ ٹھوکی اپنے دائیں ہاتھ سے اور اس سے اولاد نکال کر کہا کہ میں نے ان کو بہشت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ اہلِ بہشت کے کام کرینگے۔ پھر دوبارہ اپنے ہاتھ سے اُس کی پیٹھ ٹھوک کر اُس کی اولاد نکالی اور کہا کہ اُن کو میں نے دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ اہل دوزخ کے کام کرینگے)۔

مندرجہ بالا مقتبسات سے جن کی مانند اور بھی بہت سے مل سکتے ہیں صاف ظاہر ہے کہ اسلامِ خدا کو مادی جسم دینے کے الزام سے بُری نہیں ہو سکتا۔قرآن واحادیث میں جو بہشت ودوزخ کے مادی بیانات پائے جاتے ہیں یہ بھی اُنہیں سے اخذ کیا ہوا خیال ہے۔اس میں بھی شک نہیں کہ یہ بیانات جن کو تمام پکے مسلمان لفظی طور پر سچ مانتے ہیں مجسم خدا کے خیال کی تائید کرتے ہیں۔ پھر علاوہ بریں حضرت محمد نے صاف صاف یہ بیان کیا ہے کہ شبِ معراج میں آپ آسمان پر گئے۔ وہاں آدم، موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر انبیاء سے ملاقات کی اور آخر کا اُمت کی نمازیں کم کرانے کی درخواست لے کر خدا کے حضور میں پہنچے۔ یہ بیان نہایت صاف اور تشبیہ واستعارے سے بالکل خالی ہے۔اس سے بھی یہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ خدا اپنی تمام مخلوق سے دُور سب سے اونچے آسمان پر ایک مادی تخت پر بیٹھا ہے۔

خدا کے حق میں ایسے خیال واعتقاد کا عملی نتیجہ اسلامی عبادت کے خیال میں صاف نظر آتا ہے "رب العرش " نے دن بھر میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنے کا محکم دیدیا ہے اور ہر ایک مومن پر اس کی بجاآوری فرض ہے خواہ کیسا ہی بے لذت وتکلیف ومعلوم ہو۔ برکت حاصل کرنے کا ذریعہ سوائے فرمانبرداری کے اور کچھ نہیں۔ نمازیں سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں لیکن آنحضرت نے اُن کو کلیدِ درجنت بیان فرمایا ہے۔ پس جو دانا ہے وہی داخل ہو گا۔ خدا کے ساتھ صحبت رکھنے کا خیال بالکل مفقود ہے۔ ہم یہ کہنے کی جرات کر سکتے ہیں کہ قرآن واحادیث میں کہیں ایک فقرہ بھی نظر نہیں آتا جو یوحنا رسول کے الفاظ ذیل کے مقابلے میں پیش کیا جا سکے۔ "ہم خدا کے ساتھ صحبت رکھتے ہیں " خدا محبت

ہے اور جو محبت میں رہتا ہے اور خدا اُس میں سکونت کرتا ہے" بائبل کی تعلیم کے بموجب خدا "ہم سے دور نہیں بلکہ ہر ایک کے نزدیک ہے" اور "وہ ہاتھ کے بنائے ہوئے زمینی یا آسمانی مکانوں میں نہیں رہتا" کیونکہ ہم اُسی میں چلتے پھرتے اور زندہ ہیں" جب برادرانِ اہل اسلام سیدنا مسیح سے یہ سیکھ لینگے کہ "خدا روح ہے اور اُسکے پرستاروں کو واجب ہے کہ روح وراستی سے اُس کی پرستش کریں۔ تب ہی رسم پرستی کی جگہ حقیقی روحانی عبادت ہو گی اور دور کے آسمانی تخت پر کے مہیب خدا کے خیال کے عوض میں خدا کے ساتھ دلی تعلق نصیب ہو گا۔ تب ہی اہل مسیح کی ابنیت کی روحانی تعلیم کو سمجھ سکینگے اور پاک تثلیث میں ذاتِ باری کے متعلق بہت سے مشکل مسائل حل ہو جائینگے۔

باب چہارم

خدااورانسان کاباہمی رشتہ

گذشتہ ابواب میں ہم واضح کرچکے ہیں کہ قرآن واحادیث نے کیسے نالائق ونامناسب پیرائے میں وجودِ خدا کا تصور پیش کیا ہے۔ قرآن واحادیث خدا تعالیٰ کو خشک واحد اور محبت سے خالی پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنی ذات میں بے نیازی اور واجب الوجود ہونے کی صفات رکھتا ہوا نظر نہیں آتا بلکہ بیرونی اسباب کا محتاج ہے یعنی اپنی شخصیت کے اظہار واحساس کے لئے مخلوقات کا حاجتمند ہے۔ علاوہ بریں قرآن اور احادیث کی یہ تعلیم کہ خدا مادی وجود یا جسم رکھتا ہے اور بھی اُس کی ذاتِ پاک پر دھبا لگانے والی ہے اور روح وراستی کی عبادت کے لئے سد راہ ہے۔

جب ہم خالق اور مخلوق اور خصوصاً خدا وانسان کے باہمی رشتہ کے پہلو سے اسلام کی تعلیم پر نظر کرتے ہیں توذاتِ باری کا تصور اور بھی ناقص وادنیٰ نظر آتا ہے اوراقوام اسلام کا ترقی نہ کرنا اور خطرہ کے وقت مایوس وناامید ہونا مقامِ تعجب نہیں رہتا۔ اسلامی خدا وہ آسمانی باپ نہیں ہے جو اپنے بچوں پر ترس کھاتا اور یہ بات یاد رکھتا ہے کہ وہ خاک ہیں بلکہ وہ ایک دُور رہنے والا بالکل بیگانہ مطلق العنان بادشاہ ہے جو اپنے غلاموں پر اپنی جابر مرضی کے موافق حکومت کرتا ہے اور اُس کیلئے کوئی کسی طرح کا قانون یا اخلاقی حد نہیں ہے۔ انسان اُس کے ہاتھ میں ایک ایسی پُتلی ہے جس کا ہر ایک نیک وبد فعل ازل ہی سے مقدر اور ابتدائے عالم سے پیشتر ہی سے لوح محفوظ پر مرقوم ہے۔ اس تقدیر وقسمت کی صریح تعلیم کا اگر صحیح نتیجہ اخذ کیا جائے تو خدا ابدی کا بانی ٹھہرتا ہے۔ جو لوگ اس تعلیم کو مانتے ہیں وہ سب کے سب طبّی طور پر کاہل الوجود اور پست ہمت ہوجاتے ہیں اور اسلامی ممالک کی موجودہ حالت اس کی خلق تباہ کن اور بیکار کرنے والی تاثیر پر شاہد عدل کا حکم رکھتی ہے۔ اب ہم اس بات کا ثبوت اسلام ہی سے پیش کرینگے کہ ہم نے مندرجہ بالا بیان میں کچھ مبالغہ نہیں کیا۔

قرآن واحادیث میں قسمت کی تعلیم بار بار پائی جاتی ہے اور دونوں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان نیکی یا بدی کی مطلق طاقت نہیں رکھتا بلکہ بہر حال مقُید قسمت ہے چنانچہ مشکوات میں مرقوم ہے" **قَالَ:إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمُ فَقَالَ لَهُ: اكْتُبْ،قَالَ: مَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبِ الْقَدَرَ، فَكَتَبَ مَا كَانَ وَمَا هو كَائِنٌ إِلى الأَبَدِ** (پیغمبر نے فرمایا کہ یقیناً خدا نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اُسے کہا لکھ۔ پس اُس نے جو کچھ تھا اور جو کچھ ابد تک ہونے وال تھا سب لکھا) پھر اسی کتاب کی ایک اور حدیث میں یوں مندرج ہے " **قَال رِسوْل اللهِ صَلع كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ** (پیغمبر نے فرمایا کہ زمین وآسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پیشتر اللہ نے تمام مخلوقات کی مقادیر کو لکھا اور اُس کا تخت پانی پر تھا۔ قرآن بھی ان احادیث کے ساتھ بالکل متفق اور ہمزبان وہم آواز ہے۔ چنانچہ سورہ القمر میں ۵۲، ۵۳ آیت تک یوں مرقوم ہے "**إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ وَكُلُّ صَغِيرٍ**

وَ كَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ (ہم نے ہر ایک چیز پہلے ٹھہرا کر خلق کی۔۔۔اور جو کچھ اُنہوں نے کیا وہ ور قوں میں لکھا گیا اور سب چھوٹے بڑے لکھنے میں آ چکے)۔ پھر سورہ بنی اسرائیل کی چودھویں آیت میں لکھا ہے "إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهُ فِي عُنُقِهِ (ہر ایک انسان کی بڑی قسمت ہم نے اُس کی گردن سے لگادی ہے)۔ نیز آدم اور موسیٰ کے بہشت میں بحث کرنے کا ایک قصہ مشہور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قسمت کے مطابق انسان کے سب نیک و بد افعال ازل ہی سے خدا نے ٹھہرا رکھے ہیں۔ چنانچہ یہ قصہ مشکوات میں یوں مندرج ہے کہ "ایک مرتبہ آدم اور موسیٰ اپنے رب کے حضور میں بحث کر رہے تھے اور موسیٰ نے کہا تو وہ آدم ہے جسے خدا نے اپنے ہاتھ سے خلق کیا۔ جس میں اُس نے اپنی روح پھونکی، جس کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور خدا نے تجھ کو بہشت میں بسایا۔ باوجود اس سب کے تو نے گناہ کیا اور تمام بنی آدم کو ذلیل کیا۔ آدم نے کہا تو وہ موسیٰ ہے جس کو خدا نے اپنا پیغام اور اپنی کتاب دے کر بھیجنے کا شرف بخشا اور خدا نے تجھ کو وہ لوحیں دیں جن پر سب کچھ مرقوم ہے۔ تو مجھے بتا کہ خدا نے مجھ کو خلق کرنے سے کتنے سال پیشتر توریت کو لکھا تھا؟ موسیٰ نے کہا چالیس سال۔ تب آدم نے پوچھا کیا تو نے اُس میں یہ لکھا دیکھا کہ آدم نے اپنے رب کے خلاف گناہ کیا! موسیٰ نے کہا ہاں اس پر آدم نے کہا پھر تو مجھے اس فعل پر کیوں ملامت کرتا ہے جو خدا نے مجھے خلق کرنے سے چالیس برس پہلے ہی ٹھہرا رکھا تھا؟ ایک اور حدیث بعض کے بہشت کو جانے اور بعض کے جہنمی ہونے کی تقدیر کی تعلیم دیتی ہے۔ چنانچہ حضرت علی کی روایت سے مشکوات میں یوں مندرج ہے مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوِ الْجَنَّةِ (تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے لئے خدا نے بہشت یا دوزخ میں جگہ نہ لکھ رکھی ہو)۔ پھر آنحضرت کی ایک اور حدیث اسی اندھا دھند مایوسی خیز قسمت کی تعلیم دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فَرَغَ إِلَى كُلِّ عَبْدٍ مِنْ خَلْقِهِ مِنْ خَمْسٍ: مِنْ أَجَلِهِ، وَعَمَلِهِ، وَمَضْجَعِهِ، وَأَثَرِهِ، وَرِزْقِهِ (بیشک اللہ عزوجل نے اپنے تمام بندگان کے لئے پانچ باتیں پیدائش سے ٹھہرا رکھی ہیں (۱) موت (۲) جائے سکونت (۳) افعال (۴) سفرات (۵) رزق) پس کچھ تعجب نہیں کہ آپ کے صحابہ نے ایسے عقیدہ کو سن کر حیرانگی سے پوچھا "تو پھر انسان کی سعی و کوشش سے کیا فائدہ ہے؟ جس کا آپ نے قطعی جواب دیا۔ "جب خدا کسی نے بندے کو بہشت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اُس کے مرتے دم تک اُسے اہلِ بہشت کی راہ پر چلاتا ہے اور اُس کے بعد اُسے بہشت میں لے جاتا ہے اور جب وہ کسی بندے کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے تو اُس کے مرتے دم تک اُسے اہلِ دوزخ کی راہ پر چلاتا ہے اور اُس کے بعد اُسے دوزخ میں لے جا" (دیکھو مشکوات المصابیح کتاب الایمان باب القدر)۔

اسی طرح سے قرآن میں بھی شروع سے آخر تک قسمت کی ایسی ہی اندھا دھند تعلیم پائی جاتی ہے اور خدا بالکل بے قانون اور اپنی مرضی کا مغلوب جابر بادشاہ بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورہ النحل کی ۹۵ ویں آیت میں یوں مرقوم ہے۔ يُضِلُّ مَن يَشَاء وَيَهْدِي مَن يَشَاء (جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے)۔ پھر جیسا احادیث میں ہے ویسا ہی قرآن میں بھی لکھا ہے کہ خدا نے بعض لوگوں کو خاص دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے۔ مثلاً سورہ اعراف کی ۱۸۰ ویں آیت میں مندرج ہے "وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ "(بہت سے جنوں اور انسانوں کو ہم نے دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے) سورہ سجدہ کی ۱۳ ویں آیت میں اس فعل کا جو کہ خدا کی شان کے شایان نہیں ہے سبب بیان کیا گیا ہے۔ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (اگر ہم چاہتے تو سب کو ہدایت کرتے لیکن میرا یہ قول حق ہے کہ میں جنوں اور آدمیوں سے دوزخ کو بھرونگا)۔ یہ قطعی تقدیر الٰہی نہ صرف ہر فرد بشر کے لئے اس کا انجام مقرر کرتی ہے بلکہ زندگی کے ہر پہلو پر اس کی تاثیر ہوتی ہے اور انسان خدا کے ہاتھ میں ایک پرخہ سا بن جاتا ہے جو از خود حرکت نہیں کر سکتا بلکہ جدھر الٹا

سیدھا خدا چلاتا ہے چلتا رہتا ہے جیسا کہ سورہ حدید کی ۲۲ ویں آیت میں مذکور ہے مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا (زمین پر یا تم میں کوئی ایسی بات حادیث نہیں ہوتی جو اس سے پیشتر کہ ہم نے اُن کو خلق کیا کتاب میں نہ تھی) پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو نیکی یا بدی اختیار کرنے کا کچھ اختیار نہیں ہے، یہاں تک کہ اُس کا چاہنا یا کسی بات کو پسند کرنا بھی خدا کی مرضی یا تقدیر میں آچکا ہے۔ چنانچہ ایک مقام نہایت ہی مشہور ہے جو کہ راسخ الاعتقاد علمائے اسلام اپنے مباحثوں میں بغداد کے معتزلہ اور دیگر ملحد فرقوں کے خلاف پیش کیا کرتے تھے اور آزاد خیال مسلمانوں کے تمام دلائل کو جو وہ آزاد مرضی کی تائید میں پیش کر سکتے تھے رد کرنے والا سمجھا جاتا تھا۔ سورہ دہر کی آخری آیات میں یوں مرقوم ہے " فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا وَمَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ (پس جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کرے اور تم نہ چاہو گے جو اللہ چاہے) قرآن واحادیث کی مکررہ شہادت سے ثابت ہوا کہ اسلامی خدا کیسا ہے۔ خدا کی کیسی بُری تصویر دکھائی گئی ہے! اس قسم کے عقیدے سے انسان مایوسی کے بحر بے پایاں میں گر جاتا ہے اور اس کی اپنی تمام سعی و کوشش بے فائدہ بے سود ٹھہرتی ہے اور کسی طرح سے خدا کی مرضی ڈھونڈھنے اور بجالانے سے اُس تقدیر کو نہیں بدل سکتا جو اُس کی پیدائش سے ہزاروں سال پیشتر ہی لکھی جا چکی تھی۔ کیا شیطان اپنی ہوشیاری سے اس سے بڑھ کر کوئی ایسی راہ تجویز کر سکتا ہے جس کے وسیلے سے انسان کا دل زیادہ سخت ہو جائے اور نتیجۃً شکم پرستی اور شہوت پرستی کی زندگی بسر کرے؟ چنانچہ عمر خیال لکھتا ہے "کلک تقدیر نے جو لکھنا چاہا لکھدیا۔ اب کسی کی نیکی پرہیز گاری اور آہ و نالہ سے اُس کا ایک نقطہ و شوشہ بھی ٹل نہیں سکتا" اہل اسلام جانتے ہیں کہ اُن کے اعمال نیک ہوں یا بد تو بھی ممکن ہے کہ خدا اُن کو اہل بہشت میں شمار کرے۔ وہ بخوبی اپنا مقولہ بنا سکتے ہیں کہ "آؤ کھائیں پیئیں اور عیش کریں کیونکہ موت سر پر کھڑی ہے" مشکوات المصابیح میں خود حضرت محمد کی حدیث موجود ہے " إِنَّ العَبدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وإنَّه مِن أهلِ الجَنَّة، ويعمل عَمَلَ أهلِ الجَنَّة وإنَّه من أهلِ النارِ " (بیشک ممکن ہے کہ انسان کے اعمال اہل دوزخ کے ہوں اور وہ اہلِ بہشت میں سے ہو اور ایا اس کے کام اہل جنت کے ہوں اور وہ اہلِ دوزخ میں سے ہو)۔ ایسے مذہب ایسے اعتقادِ خدا اور خدا کے ایسے انتظامِ عالم کا واجبی نتیجہ ضرور لاپروائی اور مردہ دلی ہوگا۔ کیونکہ اگر انسان اٹل تقدیر یا قسمت کے قبضے میں ہے اور اس کے نیک و بد اعمال کا کچھ لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ ازلی فیصلے کے مطابق اس کو جنتی یا جہنمی قرار دیا جاتا ہے تو انسان کی طرف سے دینی اور اخلاقی امور میں ہر طرح کی کوشش لاحاصل و بے سود ہے۔

قسمت اور تقدیر کی تعلیم کو دیکھ کر اگر ہم حضرت محمد کو یہ کہتے پائیں کہ ہر حالت میں تقدیر پر شاکر رہو، طاعون سے مت بھاگو اور بیماری کے دفیعہ کے سامان بہم پہنچانے کی کوشش نہ کرو تو کچھ تعجب نہیں ہوگا۔ مشکوات المصابیح میں آنحضرت کی ایک حدیث میں یوں مندرج ہے الطَّاعُونَ رِجْسٌ... وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ (طاعون سزا ہے جب کسی ملک میں پھیلے اور تم اُس ملک میں ہو تو اُس کے سامنے سے مت بھاگو) حال کے علم حفظانِ صحت اور تجربات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اگر طاعون زدہ مقامات کو چھوڑ دیا جائے اور مناسبِ تدابیر حفظِ تقدم اور علاج و معالجہ کے طور پر کام میں لائی جائیں تو طاعون کا زور بہت کم ہو جاتا ہے اور اُس سے نجات ممکن ہو جاتی ہے لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اپنی جگہ سے مت ہلو بلکہ وہیں جمے رہو۔ جو تقدیر میں لکھا ہے بہر حال وہی ہوگا۔

ہم نے یہاں پر فرقہ معتزلہ کی آزاد مرضی کی تعلیم پر بحث نہیں کی اور اُس کا سبب یہ ہے کہ پکے مسلمانوں کے نزدیک یہ فرقہ ملحد ہے اور اُس کی تعلیم بھی مردود ہے۔ اس مختصر بیان سے ہماری غرض یہ ہے کہ راسخ الاعتقاد اہل اسلام کے عقیدے کے مطابق خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات کو پیش کریں۔ ہم نے اسلامی تعلیمات کے سمجھنے میں غلط فہمی نہیں کی اور نہ ہم نے کوئی خلاف بیان کی ہے چنانچہ ہم اس بات کے ثبوت میں علمِ الٰہی کے وہ مسلمان اُستادوں کے بیان پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہو جائیگا کہ اسلامی تعلیم

مختصر ان بیانات میں موجود ہے اور قرآن واحادیث کے صاف وصریح الفاظ پر مبنی ہے۔ چنانچہ پہلے ہم محمد برکوی کا بیان پیش کرتے ہیں "اس بات کا اقرار کرنا واجب ہے کہ نیکی اور بدی خدا کی ازلی تقدیر اور ازلی ارادے سے وقوع میں آتی ہے۔ جو کچھ ہوا ہے اور جو کچھ ہوگا سب مقدر ہے اور ازل ہی سے لوحِ محفوظ پر مرقوم ہے۔ مومن کا ایمان اور دیندار کی دینداری ونیک اعمال الٰہی پیش بینی اور مرضی کے مطابق تقدیر میں آکر خدا کی منظوری سے لوحِ محفوظ پر لکھے گئے ہیں بے ایمان کی بے ایمانی اور بیدین کی بیدینی اور بداعمال خاد کے ازلی علم اور اُسکی مرضی وتقدیر کے مطابق وقوع میں آتے ہیں لیکن اس میں اُس کی خوشی نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ پوچھے کہ خدا بدی کو کیوں چاہتا ہے اور پیدا کرتا ہے؟ تو ہم صرف یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ضرور کوئی نیک انجام جن کو ہم نہیں سمجھ سکتے مدِ نظر ہونگے "امام غزالی اس تعلیم کو مشہور مقصود الاشنا میں یوں بیان فرماتے ہیں "حق سبحانہ ان چیزوں کو جو ہیں اپنی مرضی سے مقرر کرتا ہے اور تمام حادثات وواقعات کو وقوع میں لاتا ہے۔ تمام کائنات میں کم وبیش چھوٹی بڑی، نیک وبد، مفید ومضر، ایمان وبے ایمانی علم وجہالت، خوشحالی وتنگ حالی۔ توانگری وافلاس، اطاعت وبغاوت غرض سب کچھ خدا کی تقدیر اور اُس کی مرضی کے قطعی () کے مطابق ظہور میں آتا ہے۔۔۔۔۔ اس کی تقدیر ٹل نہیں سکتی اور جو کچھ اُس نے ٹھہرا دیا ہے اُس کے وقوع میں آنے میں تاخیر نہیں ہوتی"۔

اسلام نے خدا کو ایسا ہی اَن ہونا تصور کیا ہے جس سے تمام اخلاقی احساس نیست ونابود ہو جاتے ہیں اور انسانی ذمہ داری کا کلی طور پر استیصال ہو جاتا ہے کیونکہ جب انسان کا ہر ایک فعل قادرِ مطلق خدا کی مرضی اور تقدیر کے قبضے میں ہے تو اظہر من الشمس ہے کہ تمام انسانی افعال کا فعال در حقیقت خدا خود ہی ہے۔ پس ایسی حالت میں سزا دینا اور دوزخ میں ڈالنا اول درجے کی بے انصافی وبے رحمی ہوگی۔ معتزلوں کا یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ اگر خدا بے دینی سکھاتا ہے اور کفر کے کام کرواتا ہے تو وہ خود بیدین وکافر ہے! یہ تقدیر کی تعلیم انسان کو اس درجے تک کفر بکنے پر آمادہ کرتی ہے۔

یہ سچ ہے کہ بائبل میں ایسی عبارات پائی جاتی ہیں جن سے برگزیدگی کی تعلیم ملتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ صاف تعلیم ملتی ہے کہ خدا سب کی بھلائی چاہتا ہے وہ چاہتا ہے سب اس کی نزدیکی وقربت حاصل کریں۔ نجات حاصل کرنا بھی انسان کی آزاد مرضی پر چھوڑا جاتا ہے اور اس طرح سے قسمت کا پھندا اور بندھن بائبل کی تعلیم سے بالکل خارج ہے۔ بائبل میں بہت سے مقامات پر مرقوم ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ تمام بنی آدم عرفان حق کو پائیں اور نجات کو حاص کریں لیکن ہم صرف چند مقامات کے اقتباس پر اکتفا کرینگے "وہ چاہتا ہے کہ سارے آدمی نجات پائیں اور سچائی کی پہچان تک پہنچیں (اتمطاوس ۲: ۴) وہ کسی کی ہلاکت نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ سب کی توبہ تک نوبت پہنچے (۲پطرس ۳: ۹) خداوند یہوداہ فرماتا ہے کہ مجھے اپنی حیات کی قسم ہے کہ شریر کے مرنے میں مجھ کچھ خوشی نہیں بلکہ اس میں ہے کہ شریر اپنی راہ سے باز آئے اور جیئے (حزقی ایل ۳۳: ۱۱) بائبل میں خدا پر از شفقت ومحبت باپ کی مانند ہے جو اپنے بچوں پر بدرجہ کمال شفقت دکھاتا ہے اور اُن کی نجات کے کام کو پورا کرنے کے لئے اپنے اکلوتے بیٹے کو بھیجتا ہے لیکن اسام میں وہ آدم کو اُس کی اولاد کی پیدائش سے پیشتر اُن کی روحیں دکھاتا ہے اور اُن کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے اور بعض کو اُس کی دائیں طرف اور بعض کو بائیں طرف کھڑا کر کے فرماتا ہے "هَؤُلَاءِ فِي الْجَنَّةِ وَلَا أُبَالِي وَهَؤُلَاءِ فِي النَّارِ وَلَا أُبَالِي" یہ بہشت کے لئے ہیں اور مجھے کچھ پروا نہیں یہ دوزخ کے لئے ہیں اور مجھے کچھ پرواہ نہیں)۔

مندرجہ بالا حوالا ایسے خدا کی پرستش کرتا ہے جو ایشائی بادشاہ کی مانند چلتے چلے کسی کو انعام واکرام دیتا ہے اور کسی کے نام پر یہ بے سبب اپنی جابر طبیعت سے موت کا فتویٰ جاری کرتا ہے۔ اگر اسلامی تقدیر وقسمت مندرجہ قرآن واحادیث کو مانیں تو نماز روزہ اور دعا بندگی بالکل بیکار وبے سود ہیں۔ کیونکہ انسان اپنے تام افعال واقوال بلکہ خیالات میں بھی تقدیر کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے اور کسی طرح سے نیکی بدی کا ذمہ دار اور جوابدہ نہیں ٹھہر سکتا لیکن انسانی ضمیر شخصی ذمہ داری کا احساس رکھتی ہے اور اس حقیقت پر نہایت صفائی وصراحت سے پرزور گواہی دیتی ہے۔

باب پنجم

خدا ؔبلحاظِ گناہ ونجات

اسلامی تقدیر کے مطالعے سے خدا کا انسان سے رشتہ معلوم کرکے اور یہ جان کر کہ انسان کے تمام افعال ازل ہی سے تقدیر کے بس میں ہیں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں گناہ کی تعلیم اور نجات کی تدبیر دونوں ناممکن ہیں کیونکہ منطقی طورپر تقدیر کی تعلیم سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ نیکی اور بدی میں کچھ فرق نہیں ہے اور سزو جزا کے بھی کچھ معنی نہیں ہیں۔ لیکن اسلام کی متناقص تعلیمات کے سبب سے گناہ کا مفصل بیان پایا جاتاہے اور سزا و جزا کی بڑی تدبیر موجود ہے۔ قرآن کی تعلیمات سے بہت ہی متغائر ومتابئن ہیں اور خاص کر گناہ اور نجات کے باب میں توقرآن بالکل گڈمڈ اور تناقص سے پُر ہے۔ حضرت محمد نے ایک طرف توتقدیر کی ایسی تعلیم دی کہ انسان بالکل بے کس وبے بس ہوگیا۔ آزاد مرضی ہاتھ سے دے بیٹھا اور ایسے بے اختیار ہوگیا جیسے کمہار کے ہاتھ مٹی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آنحضرت خدا سے میل حاصل کرنے کی انسانی آرزو کو دبا نہ سکے اور شخصی آزادی وذمہ داری کی حقیقت کو نظر انداز نہ کرسکے۔ تقدیر وقسمت کواس متغائر تعلیم کو حکیم عمر خیال اپنی رباعیات میں نہایت صفائی سے یوں بیان کیاہے "اے توجس نے میری راہ کو طرح طرح کے خطروں سے بھر دیااورازل ہی سے میرے تمام افعال ٹھہرا رکھے ہیں۔ مجھ کو میری گنہگاری کے لئے سرزنش نہیں کریگا"۔

اگرگناہ کے تعلق میں اسلام کے الٰہی تصور پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت بالکل آشکارا ہوجاتی ہے کہ اخلاق اور دین میں کوئی باہمی رشتہ باقی نہیں رہتا۔ حقیقی راستی وپاکیزگی کے مقابلے میں خدا رسم پرستی اور ظاہری دکھاوے کی دینداری کو زیادہ چاہتاہے۔ اندرونی تقدیس کی چنداں پروا نہیں کرتا لیکن ظاہری رسوم کی بجاآوری بہت ضروری ہے۔ پس گناہ کوئی ازلی اخلاقی شریعت کی خلاف ورزی نہیں ہے بلکہ محض ایک جابرانہ حکم کی عدم تعمیل کا نام ہے اور مسلمان تاجروں کی عملی زندگی سے اس امر کی بخوبی تشریح ہوتی ہے۔ وہ روزانہ نمازوں کے باب میں توبڑے ہوشیار اور محتاط ہیں لیکن لین دین میں بے کھٹکے جھوٹ اور فریب سے کام لیتے ہیں۔ عام طورپر یہ دیکھا جاتاہے کہ یورپ کے باشندے جھوٹ بولتے اور دھوکہ وفریب کرتے ہیں وہ دینداری کا دعویٰ ہی نہیں کرتے۔ اُن میں کم سے کم یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ اُن کا ظاہر وباطن یکساں ہے۔

اگر حضرت محمد کی احادیث اور دیگر اسلامی کتب فقہ مثلاً فتاوی عالمگیری وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے توصاف معلوم ہوجائے گا کہ اندرونی پاکیزگی اور دینداری کے عوض میں ظاہری رسوم کی بجاآوری پر زیادہ زوردیا گیاہے اور رسم پرستی کے احکام روحانی تعلیم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔ اہل اسلام پر ایسی تعلیم کی بڑی تاثیر ہوئی ہے چنانچہ وہ خدا کے بارے میں غلط خیال اور غلط اعتقاد رکھنے کی وجہ سے حقیقی عبادت سے بہت دور جاپڑے ہیں اور روحانی عبادت کی جگہ رسم پرستی پر زور دیتے ہیں۔ ہمارے اس بیان کی تشریح وتصدیق کے لئے اسلامی نماز کو دیکھئے اور خیال کیجئے کہ اہل اسلام کس طرح بن سمجھے یونہی طوطے کی طرح الفاظ کو دہرانے ہیں۔ ہم بے تامل کہہ سکتے ہیں کہ اس نماز میں اٹھنے بیٹھنے کی تفصیل اور قرات الفاظ ہی کا زیادہ ترج خیال کیا جاتاہے۔ نماز گذار کی نیت کیسی ہی خالص ہو اور وہ کتنی ہی صاف دلی سے عبادت کرے تو بھی نماز اجنبی زبان میں ہے (کیونکہ عربوں کے سوا بہت ہی کم مسلمان عربی زبان سمجھتے ہیں) اور پھر طرفہ تر یہ بات ہے کہ اگر اٹھنے بیٹھنے میں کہیں ذرا سی غلطی ہوگئی تو نماز ٹوٹ گئی۔ نماز کا صحیح ہونا نماز گذار کی دلی حالت پر نہیں بلکہ ظاہری قواعد پر موقوف ہے۔ چنانچہ حضرت محمد نے فرمایا" إِنَّ اللهَ لَا يَقبَل صَلَاةً بِغَيْرِ طُهُورٍ (تحقیق اللہ بغیر وضو کے نماز قبول نہیں کرتا)۔ پھر فرمایا مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعَرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَ كَذَا مِنَ النَّارِ (جس نے بال برابر جگہ ناپاک چھوڑدی اوراُسے نہیں

دھویا اُس کے ساتھ دوزخ کی آگ سے ایسا کیا جائیگا)۔ یہ امر نہایت ہی حیرت خیز ہے کہ اخلاقی پاکیزگی کی طرف بمشکل ہی کہیں اشارہ ملتا ہے حالانکہ وضو وغیرہ کے قواعد و تشریحات سے کتابیں بھرپڑی ہیں۔ فی الجملہ نماز بجائے دلی عبادت کے اٹھنے بیٹھنے اور چند ظاہری قواعد کی بجاآوری ہے۔ چنانچہ مشکوات میں ایسی احادیث بھرپڑی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ پانی گناہوں کو دھوڈالتا ہے لیکن ہم اس جگہ صرف ایک حدیث پیش کرینگے کتاب الطہارت میں غسل کے بیان میں ایسی بہت سی احادیث ملینگی۔ آنحضرت نے فرمایا" إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوْ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنْ الذُّنُوبِ (جب مسلمان یا مومن بندہ وضو کرتا ہے اور اپنا منہ دھوتا ہے تو وہ تمام گناہ جن پر اُس نے اپنی دونوں آنکھوں سے نگاہ کی ہے اُسکے چہرے سے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ خارج ہو جاتے ہیں اور جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو وہ تمام گناہ جو اُس کے دونوں ہاتھوں نے کئے ہیں اُس کے ہاتھوں سے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ خارج ہو جاتے ہیں اور جب وہ اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے تو وہ تمام گناہ جن کی طرف اُس کے پاؤں چل کر گئے ہیں اُس کے پاؤں سے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ خارج ہو جائے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے گناہوں سے بالکل پاک ہو جاتا ہے۔

اسلام کی ظاہر داری اور قانون جواز کی صورت زیادہ تر گناہ کے بیان میں نہایت صفائی سے نظر آتی ہے۔ اسلام گناہ کی اصلی مکروہ صورت دیکھنے میں بالکل نابینا ہے اور اسلامی علم الٰہی کے مطالعے سے یہ بات صاف معلوم ہو سکتی ہے کہ اس کا سبب خدا کے بارے میں غلط تصور اور غلط اعتقاد رکھتا ہے۔ اسلام خدا کو راستکار اور انصاف دوست حاکم کی صورت میں پیش نہیں کرتا بلکہ بخلاف اس کے ایک متلون مزاج العنان حکمراں کی حیثیت میں دکھاتا ہے جس کی خوشنودی اُس کے چند احکام کی بجاآوری سے حاصل ہو سکتی ہے بلکہ جیسا ہم پیشتر ذکر کر آئے ہیں محض اس کے ننانوے (۹۹) ناموں کے ورد ہی کے وسیلے سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ ترمذی اور نسائی کے مطابق آنحضرت کی ایک حدیث یہ بھی ہے مَنْ قَرَأَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَتَيْ مَرَّةٍ: «قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ» مُحِيَ عَنْهُ ذُنُوبُ خَمْسِينَ سَنَةً (جس نے ہر روز دو سو بار " قل ھواللہ احد " پڑھا اس کے پچاس برس کے گناہ مٹ جائینگے) کتاب فضائیل القرآن میں بار بار یہ مضر تعلیم دی گئی ہے کہ چند ظاہری رسوم کی پابندی سے گناہ معاف ہو جائینگے اور مکہ کا حج تو بہشت میں جانے کے لئے راہداری کا یقینی پروانہ سمجھا تا ہے۔

مسلم و بخاری کے مطابق آنحضرت کی ایک اور حدیث مشکوات میں اسماء الٰہی کے باب میں مندرج ہے۔ اُس سے بہت ہی اچھی طرح یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت محمد کے خیالات گناہ اور مغفرت کے بارے میں بہت ہی گڑبڑ اور بے ٹھکانہ تھے۔ چنانچہ مرقوم ہے قَالَ رسولُ اللهِ صَلعَ إِنَّ عَبْداً أذنب ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ فَاغْفِرْه فَقَالَ رَبُّهُ أَعَلِمَ عَبْدِى أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْوب وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِى ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ ذَنْباً فَاغْفِرْهُ فَقَالَ أَعَلِمَ عَبْدِى أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِى ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ ذنباً آخَرَ فَاغْفِرْهُ لِى فَقَالَ أَعَلِمَ عَبْدِى أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِى فلْيَفْعَل

مَا شَاءَ (رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا کے ایک بندے نے کوئی سخت گناہ کیا اور کہا اے میرے رب میں نے گناہ کیا ہے اسے معاف کر دے۔ اس کے رب نے کہا۔ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اُس کا رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور اُن کیلئے سزا بھی دیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کیا۔ پھر وہ ٹھہرا رہا۔ جیسا خدا نے چاہا۔ پھر اُس نے ایک سخت گناہ کیا اور کہا اے میرے رب۔ میں نے سخت گناہ کیا ہے۔ اسے معاف کر دے۔ اُس نے کہا کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اُس کا رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور سزا بھی دیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کیا۔ پھر وہ ٹھہرا رہا جیسا خدا نے چاہا۔ پھر اُس نے سخت گناہ کیا اور کہا اے رب میں نے پھر سخت گناہ کیا ہے۔ مجھے معاف کر دے۔ تب خدا نے کہا کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اُس کا رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور سزا بھی دیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کیا ہے پس اب وہ جو چاہے سو کرے!) ایسی تعلیم صریحاً گناہ کی طرف مائل کرتی ہے لہذا کچھ تعجب نہیں کہ اہل اسلام نے کفارہ کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا اور گناہ کی کراہیت کو نہیں پہچانا۔ جب گناہ آسانی سے معاف ہو سکتا ہے تو اُس کا ارتکاب بھی تامل و بے خوف ہوتا ہے لیکن اگر انسان مسیحیوں کے ساتھ اس بات کو معلوم کر لے کہ گناہ کی معافی کے لئے سیدنا مسیح کو مصلوب ہونا پڑا تو وہ گناہ سے نفرت و پرہیز کرنا سیکھیگا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام میں نجات کے بارے میں کوئی معقول اور قابل قبول خیال یا تعلیم نہیں ہے اور اسکی تلاش میں کُتبِ اسلام کا مطالعہ بالکل بے سود ٹھہرتا ہے۔ انسانی ضمیر اپنی گنہگاری کو محسوس کر کے پکارتی ہے "میں کیا کروں کہ نجات پاؤں؟" لیکن اسلام سے اس کا کوئی تسلی بخش جواب بن نہیں آتا۔ اور جو جواب اسلام دیتا ہے وہ بالکل ناقص ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل اسلام خدا کی ذات کے بارے میں کیسے ناواقف اور غلط خیال رکھنے والے ہیں۔ جب بنیاد ہی ایسی کھوکھلی ہے اور خدا کے حق میں درست اعتقاد ہی نہیں تو پھر کچھ تعجب کی بات نہیں کہ حضرت محمد کو نجات کی کوئی ایسی صورت نہیں سوجھی جو خدا کی شان کے شایاں ہوتی۔

"میں کیا کروں کہ نجات پاؤں؟" کے جواب میں حضرت محمد کے اقوال بے شمار اور باہم متضاد ہیں۔ اگر گنجائش ہوتی تو ہم بہت سے ایسے مقامات کو نقل کرتے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت کے خیال کہ مطابق قیامت کے روز کل بنی آدم کے نیک و بد اعمال تولے جائینگے اور اُن کی کمی یا بیشی کے مطابق جزا و سزا کے فتاوی سنا کر بعض کو بہشت میں داخل کیا جائے گا اور باقی سب جہنم واصل ہونگے۔ پھر یہ بھی آپ نے فرمایا کہ حضرت محمد سمیت تمام بنی آدم کو نجات کا دار و مدار خدا کی رحمت پر ہے۔ علاوہ بریں بعض احادیث قرآن کے برخلاف یہ تعلیم دیتی ہیں کہ گنہگار انسان نجات حاصل کرنے کے لئے زیادہ تر حضرت محمد کی شفاعت ہی پر بھروسہ رکھ سکتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر ایک انسان پیدائش سے پیشتر ہی سے جنت یا جہنم کے لئے مقرر ہو چکا ہے۔ یہ اعتقاد کیسا نا اُمیدی اور مایوسی سے پُر ہے۔

کتُب اسلام میں خدا کا ایک نام العادل بھی ہے۔ اور وہ الرحیم بھی کہلاتا ہے لیکن اسلام یہ بات سمجھانے سے بالکل قاصر و عاجز ہے کہ وہ عادل و رحیم دونوں کیونکر ہو سکتا ہے انصاف اور عدل کا تقاضا یہ ہے کہ گناہ کیلئے سزا دی جائے اور نجات کی کوئی تدبیر جو اسکی چارہ جوئی نہ کرے نامعقول و باطل ٹھہریگی۔ ساتھ ہی خدا کے رحم کے اظہار کی بھی کوئی صورت ہونی چاہیے تاکہ خدا کی ان ہر دو صفات یعنی عدل و رحم کا کامل اظہار ہوئے۔ اسلام کی اس ناقص و غیر تسلی بخش تعلیم کے نتائج کی شہادت تواریخ سے ملتی ہے بڑے بڑے پکے مسلمان بلکہ آنحضرت کے بعض اصحابہ کرام بھی اول درجے کی مایوسی و نا اُمیدی کی حالت میں قبر میں گئے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ خلیفہ علی کے ہاں کوئی مہمان وارد ہوا اور پوچھا کہ کیسے گذرتی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ایک لاچار گنہگار کی مانند نوشتہ تقدیر کے مطابق دن پورے کر رہا ہوں اور ہیبتناک انجام کا منتظر ہوں۔ پھر آنحضرت کے صحابہ میں سے عمر ابن عبداللہ کی بابت لکھتا ہے کہ وہ دن بھر روزہ رکھتا تھا اور ساری ساری رات عبادت میں کھڑا رہتا تھا۔ ایسے موقعہ پر اُس کے ہمسائے اکثر اُس کو چلاتے اور یوں کہتے سنتے تھے "اے میرے خدا! آتش و دوزخ کا خیال مجھے بے چین کر رہا ہے مجھے نیند نہیں آتی۔ میرے گناہ معاف کر دے، اس دنیا میں انسان کے لئے فکریں اور غم ہیں۔ دوسرے جہان سزا کا حکم اور آتش دوزخ موجود ہے۔ ہائے ہائے! روح کو آرام و راحت کی کہاں سے اُمید ہو سکتی ہے؟"

اسلام نجات کا کچھ یقین نہیں دلاتا کیونکہ وہ گناہ کا کوئی علاج بہم پہنچاتا ہے ہے اور نہ گنہگار کا کوئی عوض مہیا کرتا ہے تاہم انسان کی روح کفارہ کے لئے چلاتی ہے اور اس بات کی ازبس آرزومند ہے کہ کسی طرح سے مغفرت کا یقین حاصل ہو جائے۔ بائبل کی یہ تعلیم کہ "بن خون بہائے معافی نہیں" انسان فوراً قبول کرتا ہے اور شیعہ لوگوں کو امام حسن اور امام حسین کی موت کو کفارہ کی موت قرار دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ کفارہ کی ضرورت کا یقین انسان کے دل میں نہایت ہی پختہ وبیخ گرفتہ ہے۔

جب اسلام اس عظیم حقیقت کو سمجھیگا کہ "خدا محبت ہے" تب ہی اسلام مسیح کے کفارہ کی عظیم معقولیت کو سمجھ سکینگے، اسلام ابتدائی گناہ کو تسلیم کرتا ہے اور مانتا ہے کہ آدم کے وسیلے سے تمام بنی آدم گنہگار ٹھہرے۔ پس اب اہل اسلام اس بات کو کیوں معقول اور قابل قبول خیال نہیں کرتے ایک ہی یسوع مسیح کی فرمانبرداری کے سبب سے تمام بنی آدم راستباز ٹھہر سکتے ہیں؟ انجیل شریف میں یہ ایک نہایت عظیم ازلی حقیقت منکشف کی گئی ہے بلکہ انجیل یہی ہے اور لاکھوں نے اسی سے حقیقی راحت کو حاصل کی ہے۔ اے برادرانِ اہل اسلام بائبل کو پڑھو۔ اُس میں آپ کو خدائے تعالیٰ کی ذاتِ پاک کا مکاشفہ نصیب ہوگا۔ وہ مطلق العنان وجابر حاکم نہیں جو بندوں کو اُن گناہوں کی سزا دیتا ہے جن کے ارتکاب پر اُس نے خود ہی اُن کو مجبور کیا بلکہ مہربان اور رحیم باپ ہے جو اپنی مخلوق بنی آدم میں سے کسی کی ہلاکت نہیں چاہتا بلکہ یہ آرزو رکھتا ہے کہ وہ سب اُس کی طرف رجوع لائیں اور حیاتِ ابدی کے وارث ہوں۔ وہ نہایت محبت بھرے الفاظ سے سب کو بلاتا ہے۔ یہ خدا سیدنا مسیح میں ہو کر تمام جہان کو اپنے آپ سے ملاتا ہے اور صرف سیدنا مسیح کی صلیب کے وسیلے سے ہی گنہگار انسان خدائے پاک تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ صلیب پر عدل کا تقاضا پورا ہو گیا اور رحم کے اظہار کی بھی صورت نکل آئی۔ بس اب جو کوئی چاہے آئے اور آبِ حیات مفت لے جو کوئی خدا کو جاننا چاہے اُسے مسیح "کلمۃ اللہ" کو جاننا ضرور ہے کیونکہ "خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اُسی نے ظاہر کیا" (یوحنا ۱:۱۸)۔ سیدنا مسیح فرماتے ہیں "جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ کو دیکھا (یوحنا ۱۴:۹)۔ "راہ، حق اور زندگی میں ہوں۔ کوئی میرے وسیلے کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا" (یوحنا ۱۴:۶)۔